مکالمہ بین المذاہب کا فلسفہ اور اس کی اہمیت

The philosophy of Interfaith Dialogue and Its Importance

*پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی الازہری

** ڈاکٹر ابوسفیان قاضی فرقان احمد

ABSTRACT

Dialogues, whether they are done with an individual or with a group of people, is considered a good quality of man. It may possess only the topic, but its importance increases when it is done in respect of religious affairs, because it doesn't matter what religion a person is follower of, sincerity and belief is always there in the background. Therefore, dialogues must also be done with sincerity, fair arguments and solid proofs. Religious thoughts may differ from each other; matters of oppositions may probably be given preference in dialogue, because, the unpleasant attitude from the participants is a natural thing. As a result, sometimes, this bitterness turns into such a severe obduracy that opponents cross the limits of verbal quarrel and enter into physical fight. The Holly Quaran, besides giving instruction to enter into dialogues, has also imposed the condition of "Hikmah" the wisdom; which means dialogue must be done "wisely". This command of the Holly Quaran has vast and positive effects as it lays emphasis on application of the fundamental rules and ethics of dialogue.

Our Research Papers will consist on the following topics:

1. Meanings of "Dialogue".
2. Philosophy and Importance of Inter- faith dialogue.
3. Sources of Inter- faith dialogue.
4. Advantages of Inter- faith dialogue with local and International Religions.
5. Suggestions.

KEYWORDS:

Dialogues, Holly Qur'an, Hikmah, International Religions.

---

*پرنسپل، پاکستان شپ اونرز گورنمنٹ ڈگری کالج، نارتھ ناظم آباد، کراچی؛ صدر، کالج پرنسپلز ایسوسی ایشن سندھ (رجسٹرڈ)؛ چیف ایڈیٹر، علوم اسلامیہ انٹرنیشنل (اردو، عربی، انگلش، سندھی)

**اسسٹنٹ پروفیسر، گجرات یونیورسٹی، گجرات

انسانی آبادی کے ہر گروہ کی اپنی الگ تاریخ، الگ تعارف، الگ روایات ہیں اور انسان کو اپنے محسنوں یا بزرگوں کے احترام سے روکنا نہ تو آسان ہے اور نہ ہی اس میں کوئی فائدہ، آسان اور مفید طریقہ یہی ہے کہ پرانی روایات اور تعصبات و تخیلات کو چھیڑے بغیر کچھ نئی چیزوں کے احترام کی تعلیم دی جائے، اس کے بغیر مرکز گریز اولادِ آدم و حوا کو دوبارہ ایک مرکز پر آنے کے لئے آمادہ کرنا ممکن نہیں۔

مکالمہ کے مشترکہ و ممکنہ عالمی نکات:

لہٰذا باہمی مشترکہ نکات پر مکالمہ مناسب ہے ارشاد باری ہے:

قُلۡ يَاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ. [1]

کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔

امام ابو بکر جصاصؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان "عدل و انصاف" کا نکتہ ہے، ہم سب اس میں برابر ہیں، اس مشترک بات کی صحت اور درستگی پر انسانی عقل بھی گواہ ہے، کیونکہ تمام انسان اللہ کے بندے ہیں، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے سے اپنی بندگی کروائے، کسی پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کرے، سوائے اس کے کہ کسی اور کا حکم بھی اللہ ہی کی اطاعت کے لئے ہو۔

یہ بات دور حاضر کی زبان میں اس طرح کہی جاسکتی ہے کہ ایک اللہ کی حاکمیت غلامی اور بندگی میں آجانے کے بعد انسان ظلم سے نجات حاصل کرسکتا ہے جس کی غلامی کی زنجیر میں بڑی طاقتوں نے چھوٹے ممالک کو غاصب اقوام نے مظلوم قوموں کو اپنے ہی وطن اور ملک میں جکڑا ہوا ہے اور آمروں نے اپنی رعایا کو غلام بنایا ہوا ہے۔ یہ حقیقی آزادی اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک افراد اور قوموں کے درمیان تعلقات عادلانہ اور منصفانہ بنیادوں پر استوار نہیں ہوتے، قانونی نظام اور قانونی طریقے خواہ کتنے ہی کیوں نہ بدل جائیں، عدل و انصاف کا معیار اور کسوٹی ہمیشہ ایک ہی رہے گی، اس کسوٹی اور معیار پر ہر دور میں حسن نظم اور قوانین کو پرکھا جاتا رہے گا۔[2]

شریعت اسلامیہ، جان، مال اور عزت و آبرو کی حرمت سے تعلق رکھنے والے قانون سازی کے ارفع اصولوں میں دیگر تمام آسمانی شریعتوں سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ۚ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَاِيَّاهُمۡ ۚ وَلَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَ

مَا بَطَنَ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ [3]

کہہ (لوگو) آئو میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں (ان کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بد سلوکی نہ کرنا بلکہ) حسن سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا، کیونکہ تم کو اور ان کو ہم رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ بھٹکنا اور کسی جان کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا، مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کا وہ تمہیں ارشاد فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

اسلام میں سب لوگ برابر ہیں خواہ ان کا تعلق کسی رنگ، نسل اور ملک سے ہو اسلام نے زبان اور رنگ و نسل کی تمام مصنوعی دیواریں ڈھا دیں اور پوری انسانیت کو اللہ کا کنبہ قرار دیا، اسلام کا نقطہ نظر آفاقی اور اس کی اپروچ بین الاقوامی ہے، آج کی دنیا جو نسلی فسادات اور قومی رقابتوں میں ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہے، یہ نظریہ ان کے لئے امید اور روشنی کی ایک نئی کرن ہے، اب جبکہ یہ دنیا ایک بستی (Global Village) کی شکل اختیار کر چکی ہے اس کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ایسا ہی جامع اور ہمہ گیر نظریہ کارگر ثابت ہو سکتا ہے۔

عالمی مذاہب کے درمیان مکالمہ کی اہمیت:

ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے اپنی کتاب اشاعتِ اسلام (The Preaching of Islam) میں لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ المامون (۸۳۳۔۸۱۳) نے سنا کہ اسلام کے مخالفین یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام اپنی دلیل کی طاقت سے کامیاب نہیں ہوا ہے بلکہ اپنی تلوار کی طاقت سے کامیاب ہوا ہے۔ اس نے دور دور کے ملکوں میں پیغام بھیج کر ہر مذہب کے اہل علم کو بغداد میں جمع کیا اور پھر مسلم علماء کو بلا کر دونوں کو ایک عظیم الشان اجتماع میں بحث و مناظرہ کی دعوت دی، اس علمی مقابلہ میں علماء اسلام کامیاب ہوئے اور غیر مسلم اہل علم نے برسرِعام اسلام کی استدلالی عظمت کا اعتراف کیا۔([4])

آرنلڈ نے لکھا ہے کہ خلفیہ المامون اسلام کی اشاعت کے معاملہ میں بہت زیادہ پرجوش (Very Zealous) تھا، اس کے باوجود اس نے کبھی اپنی سیاسی طاقت کو تبلیغ اسلام کے لئے استعمال نہیں کیا اور نہ کبھی کسی کو جبراً مسلمان بنایا۔

بغداد کے مذکورہ بین المذاہب اجتماع میں دوسرے مذاہب کے جو اہل علم شریک ہوئے، ان میں ایک یزداں بخت تھا، وہ مانی فرقہ (Manichaean sect) سے تعلق رکھتا تھا اور ایران سے آیا تھا، یزداں بخت نے مسلم علماء کی باتیں سنیں تو وہ اسلام کی استدلالی طاقت سے مرعوب ہو گیا، اس نے مکمل طور پر خاموشی اختیار کر لی۔ اجتماع کے بعد

المامون نے اس کو دربار میں بلایا اور اس سے کہا کہ اب تم کو اسلام قبول کرلینا چاہئے، یزداں بخت نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا" امیر المومنین، میں نے آپ کی بات سنی اور آپ کے مشورہ کو جانا، مگر آپ تو وہ شخص ہیں جو کسی کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتے اور جبراً کسی کو مسلمان نہیں بناتے، یزداں بخت کے انکار کے بعد المامون نے اپنی بات واپس لے لی، اور جب یزداں بخت بغداد سے اپنے وطن واپس جانے لگا تو اس نے مسلح محافظ یزداں بخت کے ساتھ کردیئے تاکہ جذبات سے بھرے ہوئے مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو نقصان نہ پہنچا سکے۔[5] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ.[6]

محفوظ مقام تک پہنچا دو۔

اسلام میں ہر فکر کی آزادی ہے اور اس کے ساتھ ہر فکر والے کا احترام بھی۔ موجودہ زمانہ میں آزادیٔ فکر کو خیر اعلیٰ (Summum bonum) سمجھا جاتا ہے عام خیال یہ ہے کہ یہ آزادی مغرب کے سائنسی انقلاب کا نتیجہ ہے، یہ صحیح ہے کہ اس کا فوری اور قریبی سبب جدید سائنس انقلاب ہے مگر خود یہ سائنسی انقلاب، اسلام کے موحدانہ انقلاب کا نتیجہ ہے۔ اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

فرانسیسی مفکر روسو (۷۸۔ ۱۷۱۲) جدید جمہوریت کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب معاہدہ عمرانی (Social Contract) ان الفاظ کے ساتھ شروع کی تھی کہ انسان آزاد پیدا ہوا تھا، مگر میں اس کو زنجیروں میں جکڑا ہوا پاتا ہوں، یہ فقرہ حقیقتاً روسو کا عطیہ نہیں، یہ دراصل اسلامی خلیفہ حضرت عمرؓ (۶۴۴۔ ۵۸۶) کے اس شاندار تر فقرہ کی بازگشت ہے جو انہوں نے اپنے ماتحت گورنر عمرو بن العاص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اے عمرو! تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا، حالاں کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا"۔ موجودہ زمانہ میں یورپ میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں آزادی اور جمہوریت کا جو انقلاب آیا ہے، وہ اس انقلابی عمل کا اگلا مرحلہ ہے جو اسلام کے ذریعہ ساتویں صدی میں شروع ہوا تھا۔

اقوامِ متحدہ نے ۱۹۴۸ء میں عالمی چارٹر منظور کیا جس کو یونیورسل ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس کہا جاتا ہے، اس کے آرٹیکل ۱۸ میں یہ کہا گیا ہے کہ ہر آدمی خیال، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق رکھتا ہے۔

عالمی سطح پر فکر و فلسفہ اور تہذیب و ثقافت کے مختلف رویوں کے درمیان کشمکش اور تصادم کے بڑھتے ہوئے امکانات کی جو صورت حال پیدا ہوگئی ہے، اس میں اسلام ایک واضح فریق کی صورت میں سامنے آرہا ہے، جس کے پیش نظر نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے زیادہ سے زیادہ تذکرے کی ضرورت بڑھتی جارہی ہے، کہ اس تہذیبی اور فکری کشمکش میں قرآن کریم اور سیرت طیبہ ہی سے ہم صحیح سمت کی طرف رہنمائی حاصل کرسکتے ہیں اور فکر و فلسفہ اور

تہذیب وثقافت کے ان رویوں کا سامنا کرسکتے ہیں جو اسلام کو عالمی منظر سے ہٹانے کے لئے سر گرم عمل ہیں اور مطالبہ کر رہے ہیں کہ جس طرح بہت سے دوسرے مذاہب سوسائٹی کی فکری رہنمائی، ثقافتی اور معاشرتی قیادت سے دست بردار ہوگئے ہیں، اسی طرح اسلام کو بھی معاشرتی قیادت کے منظر سے ہٹ جانا چاہیئے اور دوسرے مذاہب کی طرح اپنی سرگرمیوں اور ہدایات کو شخصی اور پرائیوٹ دائروں تک محدود کرلینا چاہیے۔

آج کے عالمی منظر میں مسلمانوں کو فکر وفلسفہ تہذیب وثقافت کے حوالے سے یہی سب سے بڑا چیلنج در پیش ہے اور آج نبی کریم ﷺ کی سیرت وتعلیمات کا اس پس منظر میں مطالعہ کرنے اور اسے دنیا کے سامنے پیش کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ سیرت طیبہ ﷺ کا جس حوالے سے بھی تذکرہ کیا جائے، اجر وثواب، رہنمائی وبرکات کا ذریعہ ہے۔ وہ تو سراپا رحمت وبرکت ہیں اور اجر ثواب کے سرچشمہ ہیں، لیکن ہمیں اپنی ضروریات کو دیکھنا ہے، اپنی کمزوریوں پر نظر رکھنی ہے اور اپنی کوتاہیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ پھر ان ضروریات، کمزوریوں اور کوتاہیوں کا ایک دائرہ ہمارا داخلی دائرہ ہے، اس کے تقاضے مختلف ہیں ایک دائرہ عالمی اور بین الاقوامی ہے جو ہمارے داخلی دائرے سے الگ ہونے کے باوجود تیزی سے بڑھتے ہوئے گلوبل ماحول کی وجہ سے اپنے فاصلے کم کرتا جارہاہے اور دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہوئے مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔

آپ ﷺ کے مختلف مذاہب پر ایمان لانے والوں سے مکالمات ہوئے جو سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ حضرات صحابہ نے بھی اسی اسلوب پر عمل کیا۔

قصص اور آیات قرآنیہ میں جو گفت وشنید اور مباحثہ ومناقشہ کا ذکر ہوا ہے وہ باہمی دوطرفہ گفتگو (مکالمہ) پر دلالت کرتا ہے یعنی ہر فریق دوسرے کی بات سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے اور اس گفتگو کے دوران کوئی شدت، ترشی، تعصب اور نفرت کے جذبات نہیں ہوتے بلکہ فریقین امن وآشتی کے ماحول میں معلومات میں اضافہ اور حق بات کو اچھے ماحول میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ جو موقف درست ہے وہ دلائل کی روشنی میں واضح ہوسکے اور فریق ثانی کے ذہن میں جو بھی سوالات پیدا ہوں، وہ براہ راست اطمینان قلب کے ساتھ ان کا تسلی بخش جواب سن لے۔ اور اگر یہ گفتگو ترش روئی، تعصب نفرت اور دوسرے فریق کو کمتر ثابت کرنے کیلئے ہو تو اس کو مکالمہ، گفت وشنید یا ڈائیلاگ نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ لڑائی مناظرہ اور جدال ہوگا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکالمہ کا مقصد تبادلہ خیال، ایک دوسرے کی آراء کو سننا اور موقف جاننا ہوتا ہے تاکہ موقف سن کر اس کا جواب دیا جائے یا اپنے ذہن میں اس کے صدق وکذب کو پرکھا جائے۔ اس طرح فریقین معلومات کے تبادلہ کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔

باہمی مکالمہ کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ مناظرہ کی طرح فریق ثانی کو نیچا دکھایا جائے، اس پر غلبہ حاصل کیا جائے اور لوگوں کو ثابت کیا جائے کہ دوسرا جھوٹا ہے اور میں سچا ہوں۔ بلکہ مکالمہ اس سے عظیم تر مقاصد کا حامل ہے یعنی اس میں دوسرے کی اصلاح اور تربیت پیش نظر ہوتی ہے تاکہ دوران گفتگو دوسرے کی غلط آراء کی اصلاح کی جائے، اگر وہ کہیں غلطی پر ہے اس کی نشان دہی کی جائے، اور جہاں اس نے کوئی بہت اچھی بات اور قابل عمل بات کی ہے، بلا بغض و عناد قبول کی جائے۔ فریق ثانی کو حقائق پر قائل کیا جائے اور اس کے لئے محبت والفت کا راستہ اختیار کیا جائے تاکہ نفرت کے بجائے اخلاص پیدا ہو، اور جب مجلس سے اٹھے تو مخالفانہ آراء پر بھی ہمدردی سے غور کرے اور اصلاح کا راستہ نکل سکے۔ مکالمہ کا مقصد یہ بھی ہے کہ فریق ثانی کی معلومات کیلئے موضوع سے متعلق تمام امور پر گفتگو کی جائے تاکہ وہ مجلس سے اٹھے تو پہلے سے زیادہ معلومات حاصل کر کے جائے۔

سیرت النبی ﷺ میں بھی نبی کریم ﷺ کے غیر مسلموں سے ہونے والے مکالمات کا ذکر ملتا ہے جیسے بچپن میں بحیرا راہب سے گفتگو اور ورقہ بن نوفل سے مکالمہ اور یہودیوں کیساتھ مباحثہ و مکالمہ جو روح کے موضوع پر ہوا جسے ابن ہشام نے بھی نقل کیا ہے۔[7]

ابن ہشام نے حبشہ کے عیسائیوں کا واقعہ بھی نقل کیا ہے، جو مسجد نبوی میں نبی کریم ﷺ سے ملے اور مکالمہ کیا۔ سوال و جواب اور باہمی گفتگو کے بعد وہ لوگ ایمان لے آئے۔[8]

مکالمہ بین المذاہب کے حوالہ سے سوالات:

آج کے حالات میں مکالمہ کے تناظر میں دیکھنا یہ ہے کہ کن موضوعات پر مکالمہ ہو سکتا ہے؟ کیا تہذیبوں کی کشمکش بات چیت سے ختم ہو سکتی ہے؟ دونوں نظام باہمی مکالمہ کی میز پر جمع ہو سکتے ہیں؟ اہل نظر اور فکر و دانش کیلئے یہ سوال باقی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں بعض موضوعات ایسے ہیں جن پر مکالمہ ہو سکتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن پر مسلمانوں کے لئے مکالمہ کرنا ممکن نہیں۔ بعض موضوعات ایسے ہیں جن پر مکالمہ ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے اور مسلم مفکرین اور علما اس حوالے سے دو نقطہ نظر رکھتے ہیں لیکن راجح یہ ہے فریق ثانی آداب مکالمہ اور شروط نہ بھی پوری کرتا ہو، ہٹ دھرم دشمن ہو پھر بھی اگر موضوع مناسب ہو تو اس کے ساتھ مکالمہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ بجائے اس کے کہ ٹکراؤ اور نزاع کی صورت پیدا کی جائے۔ جیسا کہ ڈاکٹر احمد سیف نے اپنی کتاب "غیر مسلموں سے مکالمہ" میں لکھا ہے کہ ظالموں کے ساتھ اور دشمنوں کے ساتھ بھی مکالمہ اور گفت و شنید بند کر دینا حکمت کے خلاف ہے اور یہ اسلوب نبی کریم ﷺ کی سنت کے بھی خلاف ہے کیونکہ آپ ﷺ نے بھی یہود مدینہ سے باہمی مکالمہ کیا تھا حالانکہ قرآن کریم نے ان کی صفت یہ بیان کی ہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کو چھپاتے ہیں اور حق کو باطل سے خلط ملط کرتے ہیں۔[9] اور آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے بھی مکالمہ فرمایا اور بالآخر انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔[10] ان واقعات سے اندازہ

ہوتا ہے کہ دعوت کے میدان میں مکالمہ کی کتنی اہمیت ہے اور مسلمانوں کے لئے دعوت الی اللہ کے اس اسلوب کو اختیار کرنا کس قدر ضروری ہے۔ قرآن وحدیث، سیرت رسول ﷺ، اور سیرت صحابہؓ اور اعمال سلف اس پر دلالت کرتے ہیں۔

آجکل سرکاری میڈیا اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ مسلسل مذہبی ہم آہنگی کے موضوعات پر بات کرنے کیلئے قائل کر رہے ہیں تاکہ مختلف تہذیبوں کو تصادم اور ٹکراؤ سے بچایا جاسکے اور مکالمے کے ذریعے سے مذاہب میں ہم آہنگی پیدا کی جائے لیکن دراصل اسلام دشمن طاقتیں دلوں میں بغض رکھتی ہیں بظاہر دوستانہ ہے۔ یہود و نصاریٰ کی رگ و پے میں چھپی دشمنی چھپائے نہیں چھپتی، اہل مغرب اگرچہ اپنے آپ کو لادین، سیکولر اور مادہ پرست کہتے ہیں لیکن حقائق اس کے برعکس ہیں ہر ثقافت اور تحریک کے پیچھے کوئی نہ کوئی نظریہ سوچ اور مذہب کارفرما ہوتا ہے۔

ان حالات میں جب اہل مغرب دوسروں کو اپنی ہی عینک سے دیکھتے ہیں، چاہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو تو مکالمہ بھی اسی تناظر میں ہوگا، مذہبی ہم آہنگی بھی اسی سوچ کی عکاس ہوگی جیسے مغربی میڈیا چاہے گا، اگر اس طرح کے سیاسی و معاشرتی حالات میں مختلف تہذیبوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے مکالمہ ہوگا تو بظاہر وہ مکالمہ ہوگا لیکن درحقیقت طاقت ور اپنی یک طرفہ رائے ٹھونسے گا۔

مکالمہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ طرفین کھلے دل ودماغ سے اچھی دوستانہ فضا میں دلائل کی روشنی میں باہمی بات چیت کریں اور ہر فریق دوسرے کے حقائق کو تسلیم کرے، بصورت دیگر وہ مکالمہ نہیں ہوگا۔

ہمارا خیال ہے اسلام کے خلاف اگر دریدہ دہنی کے چیلنج سے نمٹنا مقصود ہے تو مسلمان دنیا کو چاہئے کہ اپنے جائز غم وغصے کو پرتشدد انداز میں ظاہر کرنے کے بجائے مغرب کے ساتھ دانشورانہ مباحثہ کی راہ اپنائے۔ مسلمانوں کی اپنے نبی ﷺ کے ساتھ وابستگی اور عقیدت کسی سے ڈھکی چھپی ہرگز نہیں، جنہوں نے متعدد ستم اٹھائے، صعوبتیں برداشت کیں، لیکن اپنے نیک مقاصد کو ترک نہ کیا اور بالآخر مکہ میں ایک فاتح کے طور پر داخل ہوئے اور انتقام کی راہ سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔ ایک عظیم الشان فاتح ہو کر بھی انہوں نے عفو و درگزر کی ایسی مثال قائم کر دی جس کی ماضی قریب یا بعید میں کوئی نظیر دستیاب نہ تھی۔ لہٰذا امت مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دلی، ذہنی اور جذباتی وابستگی کا اظہار کرتے وقت ان کی سنت کو ترک نہ کریں اور اگر انتہائی غیر ذمہ دارانہ انداز میں توہین آمیز اور لڑنے مرنے پر اکسانے والے حملے کئے جائیں تو بھی وہ اپنی صفوں میں اتحاد اور نظم وضبط کی کمی نہ آنے دیں۔

مسلمانوں کے خلاف میڈیا کی یلغار بالفاظ قرآنی مشرکین مکہ کی پالیسی کی طرح ہے کہ والغوا فیہ لعلکم تغلبون یا اردو محاورہ کے مطابق "چور مچائے شور" اپنی دہشت گردی و تعصبات کو چھپانے کے لئے قرآن، اسلام اور مسلمانوں کے

خلاف یک طرفہ یلغار کر دی گئی ہے۔ مغربی میڈیا نے عوام کے اندر صلیبی جنگ کے نعرہ کے مطابق ہیجان برپا کر دیا ہے جس سے باہمی خدشات، تصادم اور خوف میں اضافہ ہوا لیکن جیسے جیسے وقت گذر رہا ہے پروپیگنڈہ کی دھول بیٹھ رہی ہے فریب اور طاقت کا پردہ فاش ہو رہا ہے مکالمہ کی ضرورت کا احساس فروغ پا رہا ہے تاکہ جانبین سے جس نے سمجھنے میں غلطی کی ہے اسے اس پر غور کے لئے آمادہ کرنا چاہئے، عیسائیت کے پیروکاروں کی جانب سے مکالمہ کی صدا بہت بلند آہنگ کے ساتھ تقریباً پچیس تیس سال سے بلند ہوتی رہی ہے لیکن احمد دیدات کے ہاتھوں متعدد صدمات سہنے کے بعد یہ صدا سکوت میں تبدیل ہوگئی ہے اور جہاں کہیں دوبارہ ظاہری کوشش کی جاتی ہے اس میں مسلمانوں کی جانب سے ایسے افراد کو نمائندگی کی دعوت دی جاتی ہے جن کا نام عربی یا مسلمانوں جیسا ہو یعنی نام کے مسلمان ہوں وہ اس اسٹیج پر وہی کرتا ہے جو مداری کا بندر کرتا ہے، ان کٹھ پتلیوں کے ذریعہ اپنی رواداری اور اسلام کی نمائندگی کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں حکومت کو مکالمے کے فروغ کے لئے فقط سرپرستی کرنی چاہئے اور یہ مکالمہ تمام مذاہب کے علماء و اسکالرز کے درمیان ہونا چاہئے اس لئے کہ علماء کرام مذہب اور مسائل کا بہتر ادراک و شعور رکھتے ہیں۔

مکالمہ سرکاری وغیر سرکاری سطح پر حکمرانوں اور سیاست دانوں کے درمیان ہونا چاہئے، یا مذہبی علماء کے درمیان ہونا چاہئے؟ مکالمہ کی بنیادیں طے شدہ ہونی چاہئیں یا غیر طے شدہ! مکالمہ ہر عقیدہ اور ہر نکتہ پر کیا جاسکتا ہے یا مخصوص پہلوؤں پر؟ مکالمہ کے آداب و شرائط کیا ہونے چاہئیں؟

معروضی حالات کے سبب مکالمہ کے حوالہ سے مختلف نقطہائے نظر موجود ہیں، پہلا مطلقاً حق میں، دوسرا مشروط، تیسرا مطلقاً مخالفت میں، لیکن ہمارے نقطہ نظر کے مطابق مکالمہ ہی ہر مسئلہ کا حل ہے اور اس کا آغاز تخلیق آدم سے ہوتا ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے مکالمہ کی سنت کو جاری رکھا، بالخصوص عہد نبوی ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے حاضر ہونے والے کئی سو وفود سے جو مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے مکالمہ کیا اور مکتوبات لکھے۔

مکالمہ کی مختصر تاریخ

مؤرخین کے مطابق مکالمہ کی اس روایت کا آغاز عالمی سطح پر ۱۹۳۲ میں ہوا، جب فرانس نے اپنے چند نمائندوں کو الازہر یونیورسٹی کے علماء سے اسلام، عیسائیت، یہودیت کے اتحاد پر گفتگو کرنے کے لئے بھیجا۔ اس کے بعد ۱۹۳۳ میں پیرس کانفرنس منعقد کی گئی، جس میں فرانس، برطانیہ، سوئزرلینڈ، امریکہ، اٹلی، پولینڈ، اسپین، ترکی اور چند دوسرے ممالک کی تمام یونیورسٹیوں سے مشنریوں اور مستشرقین نے شرکت کی۔ ۱۹۳۶ میں بعنوان: ''دنیا کے مذاہب کی کانفرنس''، منعقدہ ہوئی، یہ جنگ عظیم سے قبل مذاہب پر ہونے والی آخری کانفرنس تھی، جس کے بعد یورپی ممالک کا

دھیان کانفرنسوں سے ہٹ گیا۔ ۱۹۶۴میں پوپ اوّل ششم (Pope Paolo VI) نے ایک خط بھیجا جس میں انہوں نے مذاہب کے مابین مکالموں پر زور دیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۹میں ویٹیکن (Vatican) نے ''مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین مکالمے کے لئے رہنما اصول'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ ستر اور اسی کی دہائیوں کے درمیان تیرہ سے زیادہ مرتبہ بین المذاہب اور بین الثقافتی مکالمے کے لئے ملاقاتیں اور کانفرنسیں ہوئیں، جن میں سب سے مشہور بیلجیم میں ہونے والی ''مذہب اور امن'' کی دوسری عالمی کانفرنس تھی، جس میں دنیا کے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے چار سو افراد نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ اسپین کے شہر قرطبہ میں ایک کانفرنس منعقد کی گئی، جس میں ۲۳ ممالک کے مسلمان اور عیسائی نمائندوں نے شرکت کی۔ یہ دونوں کانفرنسیں ۱۹۸۴ میں منعقد کی گئیں۔ جس کے بعد ۱۹۷۹ء میں تیونس کے شہر کرتج میں ''عیسائی و مسلمان اسمبلی'' کا انعقاد ہوا۔

نوے کی دہائی سے بین المذاہب مکالمے پر زور دینے والے افراد پہلے کے مقابلے میں زیادہ سرگرم ہوگئے۔ انہوں نے ۱۹۹۳ء میں اردن میں ''عرب ویورپ کانفرنس''منعقد کی، جس کے بعد ۱۹۹۴ء میں بین المذاہب مکالمے کے لئے خرطوم کانفرنس منعقد کی گئی۔ ۱۹۹۵ء میں دو کانفرنسیں ہوئیں، جس میں سے ایک اسٹاک ہوم اور دوسری عمان میں ہوئی، اور ان دونوں کے بعد ۱۹۹۶ء میں ''اسلام اور یورپ'' کے عنوان سے اردن کی اہل البنین یونیورسٹی میں ایک کانفرنس ہوئی۔

اکتوبر ۲۰۰۶ء کے اواخر میں پاکستان کے دوروزہ سرکاری دورہ پر آئے ہوئے برطانیہ کے ولی عہد شہزادہ چارلس نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ ساق صدر پاکستان پرویز مشرف اور وزیر اعظم شوکت عزیز صاحب سے ملاقات کی، ملاقات کے دوران فریقن نے دیگر امور کے علاوہ اس بات پر خاص طور پر زور دیا کہ دنیا کے مختلف مذاہب اور اقوام کے درمیان ڈائیلاگ ہونا چاہئے۔ اس کے ڈیڑھ ہفتہ کے بعد برطانیہ ہی کے وزیر اعظم مسٹر ٹونی بلیئر بھی پاکستان کے سرکاری دورے پر آئے، اس دورے میں وہ پاکستان کے سابق صدر جنرل پرویز مشرف اور وزیر اعظم شوکت عزیز سے ملے، مسٹر نونی بلیئر نے دورہ پاکستان کے دوران مختلف تقریبات میں اظہار خیال کرتے ہوئے مذاہب کے درمیان ڈائیلاگ کی ضرورت پر زور دیا۔

امریکہ کے سابق صدر جارج ڈبلیو بش نے مسلم ممالک کے سفیروں اور مسلم کمیونٹی کی نمائندہ شخصیات کے اعزاز میں حسب روایات ۲۰۰۶ء/ ۱۴۲۷ھ میں رمضان کے مقدس ماہ میں ''افطار ڈنر پروگرام'' میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا''وقت آگیاہے کہ دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے سے مکالمہ کریں۔ پاپائے روم پاپ بنی ڈکٹ نے ویٹی کن میں مسلم نمائندوں کے ایک وفد سے گفتگو کرتے ہوئے کہا منافرت پھیلانے والوں کا محاسبہ کرنا چاہئے، اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل مسٹر کوفی عنان نے حال ہی میں مختلف ممالک کی نمائندہ شخصیات سے ملاقات کے موقع

پر اکتوبر ۲۰۰۶ء میں بین المذاہب مکالمہ پر زور دیا۔ حامد میر نے امریکہ میں ایک سیمینار میں شرکت کی جہاں انہوں نے ڈائیلاگ بین المذاہب پر منعقدہ کانفرنس میں مسلمانوں کی نمائندگی کی، وہاں انہوں نے اسلام پر اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب دیا۔ پاکستان کی سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور الطاف حسین سربراہ متحدہ قومی موومنٹ نے بھی کرسمس کے موقع پر عیسائیوں کو کرسمس کی مبارکباد کا پیغام دیتے ہوئے عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین ڈائیلاگ کو وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیا ہے۔[11]

رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام ۱۳ تا ۱۵ جولائی ۲۰۰۸ء میں تین روزہ بین المذاہب مکالمہ پر ایک کانفرنس اسپین کے دارالحکومت میڈرڈ میں ہوئی۔ کانفرنس میں عالمی یہودی کانگریس کے جنرل سیکریٹری مثال شنیڈئیر اور عیسائی رہنما کارڈینل جین لوئس توران سمیت تمام مذاہب کے دوسو رہنما شریک ہوئے۔ کانفرنس کا افتتاح سعودی عرب اور اسپین کے بادشاہوں نے مشترکہ طور پر کیا۔[12]

۲۰۱۱ء میں وفاقی اردو یونیورسٹی اور انجمن اساتذہ علوم اسلامیہ کے اشتراک سے دوروزہ قومی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا اور اسی طرح کی دیگر کامیاب کوششیں کی گئیں ہیں۔

مکالمہ کے بے شمار پہلو ہیں مثلاً ملکی و معاشرتی مسائل کے حل میں لامذہبیت کا خاتمہ کرنا، مذہب کے اثرورسوخ میں اضافہ کرنا، مذہبی بنیادوں پر ہونے والے تصادم کا خاتمہ کرنا۔

لیکن ہم سمجھتے ہیں سب سے اہم مسئلہ دنیا میں امن کا قیام ہے جس کا ہر فرد ہر حکومت اور ہر مذہب کا پیروکار خواہاں ہے لیکن امن بذریعہ طاقت کا فلسفہ ناکام ہو چکا ہے لہٰذا امن بذریعہ مکالمہ بین المذاہب کی کوشش کی جانی چاہئے۔

مکالمہ بین المذاہب کا مفہوم اور اس کی بنیادیں

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو جس سب سے بڑی نعمت سے نوازا ہے وہ زبان کی قوت اور بیان کی صلاحیت ہے۔ اسی صلاحیت سے انسانی زندگی کے بڑے حصے کا تعلق ہے، انسان حقوق اللہ، حقوق العباد اور دعوت و تبلیغ اور روزمرہ کے امور اسی زبان ہی سے ادا کرتا ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ پر غور کریں۔

اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ۔[13]

"اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دیں اور لوگوں سے مباحثہ کریں، ایسے طریقے پر جو بہتر ہو۔"

لہٰذا داعی کے لئے دعوت و تبلیغ میں جن اہم وسائل کی ضرورت ہے ان میں سے ایک بڑا اور اہم وسیلہ زبان کا استعمال اور گفتگو کا انداز ہے اور داعی کی اعلیٰ صفات میں سے ایک اہم صفت ہے۔

زبان کے صحیح استعمال، شریں بیانی اور موقع و محل کے لحاظ سے گفتگو کرکے آدمی بڑے سے بڑے مخالف کو زیر کر سکتا ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو مکالمہ و گفتگو کے آداب کی بڑی تفصیل اور وضاحت سے تعلیم دی ہے۔

مکالمہ کی تعریف:

مکالمہ بات چیت کی وہ قسم ہے جو دو اشخاص یا دو ٹیموں کے درمیان ہوتی ہے۔ اس میں باتوں کا تبادلہ فریقین میں برابری کی بنیاد پر ہوتا ہے، چنانچہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں ہوتی، اس میں سکون و اطمینان کی فضا ہوتی ہے جھگڑے اور تعصب و عناد سے دور رہ کر تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ جیسی گفتگو مطالعہ کے دوران دو دوستوں یا ساتھ کام کرنے والے دو اشخاص کے درمیان کام کرتے ہوئے یا کسی محفل کے شرکاء کے درمیان باہم ہوا کرتی ہے۔

عربی زبان میں اس کے لئے حوار کا لفظ ہے[14] (گفتگو) دو فریقوں میں کلام اور بات چیت کے تبادلہ کو کہتے ہیں جو ایک فریق سے دوسرے کی طرف اور دوسرے سے پہلے کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے اور اس میں دونوں فریقوں کے درمیان کوئی ایسی کیفیت پیدا نہیں ہوتی جس سے کسی قسم کی کشیدگی اور نزاع کی شکل پیدا ہو جائے۔

اس بناپر یہ کہا جاسکتا ہے کہ داعی کو گفتگو کے فن پر جس قدر عبور حاصل ہو گا اس کے مختلف پہلوؤں پر اسے جتنی قدرت حاصل ہو گی، اسی قدر وہ اپنے مقصد میں کامیابی سے زیادہ قریب ہو گا۔ لہٰذا داعی کو چاہئے کہ فن گفتگو کا مکمل طور پر مطالعہ کرے اور اپنی اس صلاحیت میں مسلسل اضافے کی کوشش کرتا رہے۔[15]

جب دو یا دو سے زائد افراد کسی جگہ بیٹھتے ہیں تو اسے ملاقات کہتے ہیں۔ جب ایک فرد بولتا ہے تو اسے کلام کہتے ہیں اور دوسرا سنتا ہے تو اسے سماعت کہتے ہیں۔ کلام اور سماعت کے عمل کو جب افراد بدلتے رہتے ہیں، یعنی کبھی ایک فرد کلام کرتا ہے اور دوسرے سنتے ہیں اور پھر کوئی دوسرا کلام کرتا ہے باقی افراد سنتے ہیں تو اس پورے عمل کو گفتگو کہتے ہیں۔ لیکن جب سب افراد ایک ساتھ کلام کر رہے ہوں یا خاموش ہوں تو یہ منظر عموماً پسند نہیں کیا جاتا۔ کلام، سماعت، اور گفتگو کے اپنے آداب ہیں، اس کی تکنیک ہیں بلکہ یہ ایک فن ہے جسے حاصل کرکے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

مکالمہ کا موضوع:

انسان عموماً تین موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں۔ بڑی تعداد شخصیات پر گفتگو کرتی ہے۔ کچھ لوگ واقعات پر گفتگو کرتے ہیں اور بہت ہی قلیل تعداد اصول و نظریات پر گفتگو کرتی ہے۔

ہم صبح سے شام تک گفتگو کے مرحلوں سے گزرتے رہتے ہیں، عموماً یہی محسوس کیا ہے کہ اشخاص ہی موضوع گفتگو ہوتے ہیں اور ہم اس میں لذت لیتے ہیں۔ یا پھر کسی واقعہ یا لطیفہ کی بنیاد پر اپنی گفتگو جاری رکھتے ہیں مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ہم اصول و نظریات پر گفتگو کریں اور قوم کے اجتماعی مسائل کے حل کے لئے کچھ غور و فکر کریں۔[16]

مکالمہ کی غرض و غایت:

ماہرین نے گفتگو کا ایک نظریہ (تھیوری) پیش کیا ہے، جسے اگر سب تسلیم کرلیں تو بہت سی مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔ وہ نظریہ یہ ہے:

"گفتگو کا مقصد باہمی الفت، ہمدردی اور آپس میں میل جول پیدا کرنا ہے"۔

اب اگر اس نظریہ کے تحت لوگ آپس میں بات چیت کریں تو گفتگو میں رنجش اور ناخوشگواری کے امکانات کم ہیں، بلکہ اس مقصد کے ساتھ گفتگو سے انسان میں اعتماد پیدا ہوتا ہے اور باہم تعلقات بڑھتے رہتے ہیں اور انسان ہر دلعزیز بن جاتا ہے۔

مکالمہ بین المذاہب کی بنیادیں

ا۔ نیت:

مکالمہ کی پہلی بنیاد نیک نیتی ہے۔[17] اصلاح اور پیغام پہنچانا مقصد ہونا چاہئے فتح حاصل کرنا نہیں۔ اس لئے کہ مقصد تک پہنچنا ہی اصل فتح ہے۔ کسی کو نیچا دکھانا وقتی فائدہ ہے۔ اسلام دائمی افادیت کا درس دیتا ہے۔

۲۔ انصاف:

دوسری بنیاد عدل و انصاف ہے۔[18] ہمیشہ انصاف کی بات کرنی چاہئے، خواہ وہ اپنی ذات، قوم یا قبیلہ کے خلاف کیوں نہ ہو۔ اگر مخالف کو زیر کرنے کے لئے انصاف سے ہٹ گیا تو مکالمہ کا مقصد فوت ہو گیا۔

۳۔ بہتان سے پرہیز:

تیسری بنیاد بہتان بازی سے دور رہنا ہے۔[19] اس سے دلوں میں گرہ لگ جاتی ہے اور مکالمہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔[20]

۴۔ سچائی:

چوتھی بات سچی بات کرنی چاہئے۔[21] جھوٹ سے پرہیز کرنا چاہئے۔[22] یہی ایک مسلمان کی نشانی اور شان ہے۔[23]

۵۔ تحمل و رواداری:

پانچویں بنیاد تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔[24] خلاف طبع امور پر جزباتی ہونا فطری عمل ہے، لہٰذا فریق مخالف کی خلاف طبع گفتگو پر قوت برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہئے، ورنہ مکالمہ کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

۶۔ غصہ:

چھٹی بنیاد ہے ذاتی جزبات پر قابو رکھنا اور اشتعال کے اظہار سے بچنا۔

خلاف طبع باتوں پر اگر ایک فریق غصہ میں آئے گا تو دوسرا بھی آئے گا۔ کسی پر اپنی رائے کو مسلط کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔[25]

۷۔ دلیل:

مکالمہ کی بنیاد دلیل ہونی چاہئے، اور اس میں قرآن، حدیث، آئمہ کی آراء، کتب مقدسہ سب شامل ہیں۔ افواہیں یا بیکار باتیں دلیل نہیں ہوتی ہیں۔ ان سے اجتناب کرنا چاہئے۔[26]

۸۔ موضوع متعین ہو:

مکالمہ کا موضوع متعین ہو، تاکہ گفتگو معنی خیز ہو سکے، ورنہ وقت کا ضیاع ہو گا، اور بہتر ہے گفتگو کا موضوع ایسے عنوان کو بنایا جائے، جو دونوں فریقوں کے درمیان مشترکہ ہو۔[27]

۹۔ مخالف کی بات توجہ سے سننا:

مکالمہ کی بنیاد یہ بھی ہے کہ مخالف فریق کو مکمل گفتگو کرنے دی جائے، جب وہ خاموش ہو پھر اس کی بات کا جواب دیا جائے، جس طرح گفتگو آپ کا حق ہے، اسی طرح مخالف کا بھی حق ہے، یہی آپ ﷺ کا معمول تھا۔[28]

۱۰۔ گفتگو کو نتیجہ خیز بنایا جائے:

مکالمہ کا بنیادی مقصد مخالفین اور سامعین کو پیغام دینا ہے اور صحیح واثر انداز پیغام وہی ہوتا ہے، جو دلیل کے ساتھ اور مخالف کے دلائل کا مسکت جواب دیا گیا ہو، یہی قرآنی تعلیم ہے۔[29]

اگر مکالمہ بین المذاہب میں ان بنیادوں کا لحاظ رکھا جائے گا تو انشاء اللہ اس کے علاقائی وعالمی اثرات رونما ہوں گا۔

مکالمہ کے انفرادی واجتماعی علاقائی وعالمی فوائد

۱۔ مومن کی انفرادی ذمہ داری:

اللہ کا بندہ ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کی بنا پر دعوت کا کام ہر مومن کی انفرادی ذمہ داری اور فریضہ ہے۔ یہ ذمہ داری اس پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا[30]

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔"

لہٰذا اپنے ماتحتوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ہر شخص پر فرض ہے۔

۲۔ امر بالمعروف اپنی اصلاح کیلئے:

نیکی کا حکم دینے سے انسان کی اپنی اصلاح ہوتی ہے، حق پر قائم رہتا ہے، بہت سی برائیوں سے محفوظ رہتا ہے اور نیکی کرنے کی اللہ کی طرف سے توفیق نصیب ہوتی ہے۔

۳۔ انسانوں کی خیر خواہی و بھلائی:

اسلام تمام انسانوں سے خیر خواہی اور بھلائی کا درس دیتا ہے۔ انبیاء کرامؑ انسانوں کے سب سے بڑے خیر خواہ تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ.[31]

"میں تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں ایسا خیر خواہ ہوں کہ جس پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔"

دین اسلام سراسر خیر خواہی کا دین ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "دین خلوص و خیر خواہی کا نام ہے۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائی، ہم نے پوچھا کہ کس کے لئے خیر خواہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے لئے، اللہ کے رسول کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، مسلمان سربراہوں کے لئے اور عام لوگوں کے لئے۔

چونکہ مومن پر اپنے متعلقین کی اصلاح کرنا ضروری ہے اس لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے ان کی اصلاح کرتا رہے۔[32] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص محافظ و نگران ہے اور اس سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی جو اس کی نگرانی میں ہیں۔[33] پس امیر جن لوگوں کا نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے، پس اس سے اس کی زیر کفالت لوگوں کے بارے میں باز پرس ہوگی اور بیوی اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی ذمہ دار ہے، سو اس سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی، لہٰذا مومن کو اپنے متعلقین کی اصلاح جاری رکھنی چاہئے۔

۴۔ دنیاوی زندگی میں نجات اور اس کی بہتری کیلئے:

مومن جس معاشرے میں رہتا ہے اس کے اثرات اس پر اور اس کے خاندان پر لازماً مرتب ہوتے ہیں۔ خاص طور پر الیکٹرونک میڈیا کے اس دور میں تو یہ اثرات اس کے گھر، ڈرائنگ روم اور ڈائننگ ہال تک پہنچتے ہیں۔ لہٰذا وہ نیکی پھیلانے اور بدی مٹانے کی مسلسل کوشش جاری رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کو اصحاب السبت کے واقعے میں نمایاں طور پر بیان کیا ہے۔ بنی اسرائیل کے دور میں سمندر کے کنارے پر یہودی رہتے تھے۔ چونکہ ان کے ہاں سبت (سنیچر) کے دن شکار کرنا منع تھا۔ لیکن ان میں سے کچھ لوگ حیلہ کرکے شکار کرنے لگے، اس پر قوم تین حصوں میں بٹ گئی، ایک گروہ ان لوگوں کا جو شکار کر رہے تھے۔ دوسرا گروہ ان کا جو ان کو شکار سے روکتے تھے اور تیسرا گروہ ان

لوگوں کا جو ایک طرف ہو کر خاموش بیٹھ گئے، بلکہ روکنے والوں کو ٹوکنے لگے اور کہنے لگے کہ اس میں تمہارا کیا جاتا ہے اور ان کو کیوں سمجھاتے ہو، بلکہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ خود ہی اپنے عمل کی سزا بھگتیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب عذاب ایا تو صرف ان لوگوں کو نجات ملی جو ان کو اس سے روکتے تھے۔ لہٰذا دنیا میں برائی کے برے نتائج سے بچنے کے لئے کوشش ضروری ہے۔

۵۔ آخرت میں ثواب کیلئے:

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنا آخرت میں بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے، آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

لَاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِكَ رَجُلاً وَاحِدًا خَیْرٌ لَكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ۔

"اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے کسی ایک آدمی کو ہدایت دے، یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔"

کسی شخص کی نصیحت اور کوشش سے جتنے لوگ نیکی کی راہ پر آئیں گے اور عمل کریں گے ان سب کے اجر و ثواب میں اس کا حصہ ہو گا۔

میڈیا پر آج کل سب سے زیادہ مکالماتی اسلوب نمایاں ہے۔ بلاشبہ مکالمہ دو یا دو سے زیادہ افراد کی ایسی باہمی گفتگو ہوتی ہے جس میں موضوع متعین ہو اور فریقین دوستانہ ماحول میں دلائل کی روشنی میں پورے اخلاص سے ایک دوسری کے مؤقف کو سنیں اور جواب دیں۔ قرآن پاک کے اندر موجود بے شمار علوم وفنون کے خزانوں میں سے ایک علم مکالمہ بھی ہے۔ گزشتہ صدیوں میں مکالماتی اسلوب کے بجائے جدل، مناظرہ اور مباحثہ کا اسلوب زیادہ تر رائج رہا جس میں فریق ثانی کے ساتھ دوستانہ ماحول میں زیادہ گفتگو نہیں ہوتی تھی، بلکہ تند و تیز جملوں کا استعمال اور نیچا دکھانا شامل ہوتا تھا ۔ مگر قرآن میں موجود سینکڑوں کی تعداد میں مکالمات دور حاضر میں رائج مکالماتی اسلوب کے آداب اور اہمیت کو متعین کرنے کیلئے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے مکالمات کئے، جن میں سے بعض کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ بعض اوقات مخلوق کے درمیان مکالمہ تھا قرآن میں وارد ہونے والے ہر قسم کے مکالمات کا بنیادی موضوع عبادات و ایمانیات ہی رہا ہے ان مکالمات میں موجود جو فریق حق پر ہوتا ہے اس کی طرف سے اس قدر مضبوط، مستحکم عقلی دلائل پیش کئے جاتے ہیں کہ نہ صرف فریق ثانی لاجواب ہو جاتا ہے بلکہ جو کوئی بھی اس مکالمہ کو قرآن میں بغور پڑھتا ہے وہ بھی حق کا قائل ہو کر رہتا ہے۔ یہ ایک عظیم دعوتی اسلوب ہے جس کی ضرورت دور حاضر کی مشینی و ابلاغی دور میں اور بھی بڑھ گئی ہے۔

معرکہ حنین کے خاتمے پر پیش آنے والے ایک واقعہ سے ہمیں اہم سبق ملتا ہے۔ اس واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نئے انداز سے گفتگو کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس پر غور وفکر کرنے اور اس سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ ختم ہونے پر عرب کے مختلف قبائل اور قریش کے لوگوں میں بہت سارا مال تقسیم کیا لیکن آپ ﷺ نے انصار کو اس میں سے کچھ نہیں دیا۔ جس پر انصار میں سے کچھ لوگ ناراض ہو گئے چنانچہ ان میں سے کسی نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے جا ملے ہیں۔" لٰہذا اسعدؓ بن عبادہ اس سلسلے میں بات کرنے کے لئے آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: "انصار کا قبیلہ آپ ﷺ سے اس بنا پر ناراض ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے جنگ سے حاصل شدہ مال غنیمت اپنی قوم میں تقسیم کرنے کا رویہ اختیار کیا اپنی قوم اور عرب قبائل کو بہت سا مال دے دیا، جبکہ انصار کو اس میں سے کچھ بھی نہ دیا۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سعد تمہارا کیا خیال ہے"؟ انہوں نے کہا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی تو اپنی قوم ہی کا فرد ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "تو پھر اپنی قوم کو اس مقام پر جمع کرو (میں ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں)"۔

چنانچہ حضرت سعدؓ نے جاکر انصار کو جمع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بہترین حمد وثنا کے بعد فرمایا: اے گروہ انصار، آپ لوگوں کی باتیں مجھ تک پہنچی ہیں اور آپ لوگوں کی ناراضگی بھی مجھے معلوم ہوئی ہے۔ کیا جب میں تم لوگوں کے پاس آیا تو تم لوگ گمراہ نہ تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی۔ کیا تم لوگ تنگ دست نہ تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنی کر دیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن نہ تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں باہم شیر وشکر کر دیا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے انصار تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ ﷺ کو کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر بڑے احسان اور فضل ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "خدا کی قسم اگر تم یہ بات کہو اور یہ سچ بھی ہے کہ آپ ہمارے پاس جھٹلائے ہوئے آئے تو ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ بے یارومددگار تھے تو ہم نے آپ کی مدد کی، آپ بے سہارا تھے ہم نے آپ کو ٹھکانا مہیا کیا، بے بضاعت تھے ہم نے آپ کی دل جوئی کی۔ اے گروہ انصار! کیا تم اس حقیر سی دنیا کے سامان پر مجھ سے ناراض ہو رہے ہو، جو میں نے اس قوم کی دلجوئی کے لئے اس وجہ سے خرچ کیا تاکہ وہ لوگ اسلام کی طرف مائل رہ سکیں اور تمہیں تمہارے اسلام کے حوالے کیا۔ تم لوگ اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بھیڑ بکریاں اور اونٹ لے کر واپس جائیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر اپنے گھروں کو جاؤ؟ خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ ایک گھاٹی

سے گزرتے اور انصار دوسری گھاٹی سے چلتے تو میں انصار کی گھاٹی سے چلتا۔ یا اللہ انصار پر رحم فرما، انصار کے بیٹوں پر رحم فرما اور انصار کے پوتوں پر رحم فرما۔[34]

اس گفتگو سے لوگوں پر رقت طاری ہوگئی اور وہ رونے لگے یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور کہنے لگے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر راضی اور خوش ہیں۔

امریکی فورم:

چند سال قبل امریکہ کے عیسائیوں اور یہودیوں نے ملتِ ابراہیم کی بنیاد پر ایک فورم قائم کیا، جس کا مقصد ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش اور مذہبی منافرت کو ختم کرنا تھا، امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد بھی اب اتنی ہوگئی ہے کہ ان کو بہ حیثیت ایک اقلیت کے اب تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ مسلمان علماء نے اس فورم سے کہا کہ حضرت ابراہیمؑ ہمارے بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے، پھر آپ نے اس فورم سے ہمیں کیوں علیحدہ رکھا ہے، فورم کی از سر نو تشکیل ہوئی اور اس کا نام مسلم عیسائی یہودی لیڈر شپ فورم (Muslim, Christian, jews leadership forum) رکھا گیا۔ تینوں نے طے کیا کہ ہم سب حضرت ابراہیمؑ کے پیرو ہیں، مذہبی اختلافات کے مقالے میں اپنے اپنے مسلک پر جمے رہنے کے باوجود ہم میں بہت کچھ مشترک ہے اور ان مشترک قدروں کو ہمیں ایک دوسرے کے سامنے نمایاں کرنا چاہئے۔

پہلے آٹھ آٹھ علماء ہر فرقے کے اکٹھا ہوئے اور انھوں نے دو دو گھنٹوں کے چھ وقفوں میں باہمی تبادلۂ خیال کیا، اپنے اپنے عقائد اور مذہبی خیالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرایا، فورم کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا، پھر ایک نچلی سطح کا زیادہ نمائندہ افراد کا اجلاس بلایا گیا، انھوں نے ایک دوسرے کو اپنی معاشرت، تہذیب، تہوار اور مذہبی رسومات سے آگاہ کرایا، پھر ۱۷ ستمبر ۱۹۸۶ء کو امریکی ریاست ڈیٹرائٹ (Detroit) میں مزید نمائندہ افراد کا ایک عمومی اجلاس ہوا، اس میں ۲۹ مسلمان ۳۶ یہودی ۹۱ عیسائی اور دیگر مذاہب کے افراد بھی شریک ہوئے، اس اجلاس میں تینوں مذاہب کے علماء نے تقاریر کیں، مسلمان عالم دین ڈاکٹر مزمل حسین صدیقی نے جن کی پیدائش ہندوستان کی ہی ہے، ان تینوں جلسوں میں شرکت کی اور رہن سہن، معاشرت اور دیگر باہمی مذہبی مسائل پر تفصیل سے تمام نمائندوں سے تبادلۂ خیال کیا، اس کے بعد سے آج تک یہ فورم بہت اچھے نتائج کے ساتھ کام کر رہا ہے۔

مکالمہ کے فروغ میں درپیش مشکلات

حیات نو کی وہ تڑپ اپنے آپ کو موجودہ حالت سے بہتر بنانے کی وہ خواہش اور اُمنگ، جو آج ہم میں سے اکثر لوگوں کے دلوں میں موجود ہے ہمیں اس توقع کا حق دیتی ہے کہ ابھی سب کچھ ختم نہیں ہوا ہے، حیات نو کے حصول کا ایک راستہ ابھی موجود ہے اور وہ راستہ ہر اس شخص کو صاف نظر آرہا ہے جو دیدہ بینائی رکھتا ہے۔

ہمارا پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے دلوں سے اسلام کے متعلق معذرت خواہی کی کیفیت کو مٹادیں جو صرف عقلی شکست خوردگی کا دوسرا نام ہے جو صرف ہماری وہمی فطرت اور انفاق کا ایک بدلا ہوا بھیس ہے اور ہماری دوسری منزل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا شعوری اور بالارادہ اتباع ہونا چاہئے چونکہ سنت کا مطلب اسلامی تعلیمات کی عملی صورت کے علاوہ اور کچھ نہیں، اپنے روزمرہ کے مشاغل کو اس آخری کسوٹی پر پرکھ کر ہم آسانی سے یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ مغربی تہذیب کی کن تحریکی قوتوں کو قبول کیا جاسکتا ہے اور کن کو مسترد کردینا ضروری ہے بجائے اس کے کہ ہم عجز و شکست خوردگی کے جذبہ کے ساتھ اسلام کو بیرونی عقلی کسوٹیوں پر پرکھنے کے لئے پیش کریں ہمیں پھر وہ بھولا ہوا سبق یاد کرلینا چاہئے کہ دراصل اسلام وہ کسوٹی ہے جس پر ساری دنیا کو پرکھ کر جانچنا چاہئے۔

وہ مسلمان جس کی تعلیم مغربی اصولوں پر ہوئی ہے اور جو عربی سے ناواقف اور فقہ کی باریکیوں سے لاعلم ہوتا ہے اس کو قدرتی طور پر یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ زنگ خوردہ شخصی تاویلات و تصورات شارع علیہ السلام کے حقیقی مقاصد کے ترجمان ہیں اور اس مایوسی کی کیفیت میں وہ خود شریعت ہی سے بے تعلق ہو جاتا ہے، اگر اسلامی نظریات و افکار کو ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کی زندگی میں ایک تخلیقی قوت بنانا مقصد ہے تو ضروری ہے کہ ہم ان کو اصلی مآخذوں کی روشنی میں اپنے فہم کے مطابق از سرنو مرتب کیا جائے اور ان پر سے روایتی تاویلوں کی وہ موٹی تہیں ہٹادی جائیں جو صدیوں سے ان پر جمتی رہی ہیں اور جو موجودہ زمانہ کے لئے ناکافی پائی گئی ہیں، ہوسکتا ہے کہ اس قسم کی مساعی کا نتیجہ ایک نئے فقہ کی صورت میں برآمد ہو جو اسلام کے دو حقیقی مأخذوں، قرآن حکیم اور اسوۂ رسول ﷺ کے عین مطابق ہو اور جو ساتھ ہی ساتھ دورِ حاضر کی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔[35]

مکالمہ کے فروغ میں جو مشکلات ہیں انہیں مختصر نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے: مثلاً

- غیر مسلموں کے مذہبی علماء اور مسلمانوں کے بعض ناسمجھ مذہبی علماء رکاوٹ ہیں۔
- امریکی استعمار سے نفرت۔
- مغربی این جی اوز کی غیر مسلموں کی جانب سے سرپرستی۔
- مغرب کی پروردہ پاکستانی این جی اوز۔
- مسلمان مذہبی علماء کی دیگر مذاہب سے عدم واقفیت۔
- پاکستان کے غیر مسلموں کا تعلیم یافتہ نہ ہونا اور خود اپنے مذہب سے عدم واقفیت (بالخصوص ہندوؤں کا)
- خطہ میں جب تک امریکہ موجود ہے لوگوں کو مکالمہ کے لئے تیار کرنا مشکل مسئلہ ہے۔
- مکالمہ کے حوالہ سے سے لٹریچر کی کمی، جب تک مکالمہ پر لٹریچر وجود میں نہیں آتا مکالمہ کے لئے ماحول نہیں بن سکے گا۔

جب تک سیمینارز اور کانفرنسوں کا انعقاد نہیں ہو گا اہل علم کے درمیان مکالمہ کا ماحول نہیں بن سکے گا۔ مناسب ہو گا مکالمہ کے امکانات کے فروغ کے لئے دینی مدارس میں "مطالعہ مذاہب" کو بحیثیت سبجکٹ پڑھایا جائے۔ حکومت کو متوجہ کیا جائے کہ وہ مکالمہ کے فروغ کے لئے ایسے پروگراموں کا ہر سطح پر بکثرت انعقاد کرے۔ بین المذاہب مکالمہ کے ساتھ بین المسالک مکالمہ کو فروغ دیا جائے۔

ہم بحیثیت مسلمان سمجھتے ہیں، مسلمانوں کا رویہ غیر مسلموں کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے، بلکہ ہمارا رویہ وہ ہے جو ہندو اپنی نچلی ذات کے ہندوؤں کے ساتھ روا رکھے ہوئے ہیں یا سفید فاموں نے ماضی میں سیاہ فاموں کے ساتھ روا رکھا ہے یا کہا جائے ہمارا رویہ جزباتی رد عمل پر مبنی ہے۔ بحیثیت مسلمان ہماری ذمہ داری ہے ان کے ساتھ حسن سلوک کریں، اور اسلام نے انہیں بحیثیت شہری و ذمی جو حقوق عطا کئے ہیں، اگر ان کے ساتھ اس حوالہ سے حق تلفی ہو یا کی جائے تو ہمیں بھی ان کے ساتھ مل کر ہر سطح پر ہم آواز ہونا چاہیے۔ ہمیں ہر سطح پر بحیثیت مسلمان ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے زبانی، قلمی و عملی بنیادوں پر صدا بلند کرنی چاہیے۔

غیر مسلموں کے ساتھ میل جول میں اضافہ کرنا چاہیے تاکہ مغربی و مشنری پروپیگنڈہ کا ازالہ ہو اور ان میں اس ملک کا مخلص شہری ہونے کا جزبہ پروان چڑھے، بالخصوص مذہبی علماء کو اس پر توجہ دینی چاہیے۔

تجاویز:

١۔ مکالمہ کو فروغ دینے کے لئے مذہبی سیمینارز اور کانفرنسوں میں غیر مسلموں کو مدعو کیا جائے۔

٢۔ دینی اداروں و شعبوں میں غیر مسلموں کو مدعو کیا جائے۔

٣۔ غیر مسلموں کو سمجھنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے بحیثیت مبصر و سامع دعوت دی جائے۔

٤۔ جن افراد نے (خواہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں) مکالمہ پر کسی بھی درجہ میں کام کیا ہو، ان سب کو یکجا کر کے تجاویز لی جائیں جو یقیناً عملی ہوں گی۔

٥۔ دینی مدارس میں "مطالعہ مذاہب" کو بحیثیت سبجکٹ شامل کیا جانا چاہیے تاکہ قرآن کریم کو بہتر انداز میں سمجھنے کے ساتھ ارد گرد کے مروجہ مذاہب اور ان کی نفسیات کو بہتر انداز میں سمجھ کر تبلیغ کا حق حکمت کے ساتھ ادا کر سکیں۔

٦۔ مسلمانوں کو غیر مسلموں کے عام تہوار اور ان کی خوشیوں و غم میں شریک ہونا چاہیے (ماسوا مشرکانہ محافل کے)۔

٧۔ غلط فہمیاں و خدشات جتنی جلد دور ہو جائیں یا کم ہو جائیں مکالمہ اتنی جلد فروغ پا جائے گا۔ غلط فہمیاں دور کرنے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ ہم خود اسلام کے عطا کردہ غیر مسلموں کے حقوق انہیں فراہم کریں۔

۸۔ مکالمہ کی راہ اپنا کر انتہاء پسندی، دہشت گردی اور مذہبی منافرت کا خاتمہ کیا جائے۔

۹۔ طالبان سمیت تمام لڑنے والوں سے گفتگو اور مکالمہ کا راستہ اختیار کیا جائے تاکہ خون مسلم کا تحفظ ہو سکے۔

۱۰۔ عالمی طاقتوں کی جاحیت اور عالمی دہشت گردی تمام فتنوں کی بنیاد ہے، لہٰذا اسبب کے خاتمہ پر توجہ دی جائے، رد عمل خود ہی ختم ہو جائے گا۔

۱۱۔ بعض مغربی ممالک کی جانب سے توہین رسالت کے مرتکبین اور توہین آمیز خاکوں کی سرپرستی حجاب اور مسجد کے میناروں پر پابندی مفاہمت و مکالمہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

۱۲۔ مکالمہ بین المذاہب کے فروغ کے لئے وفاقی اور صوبائی سطح پر وزارت مذہبی امور میں ایک شعبہ قائم کیا جائے اور ایسے پروگراموں میں مالی معاونت کی جائے۔

۱۳۔ وفاقی اور صوبائی وزارت مذہبی امور کے زیر اہتمام ہر سال مکالمہ بین المذاہب یعنی Interfath Dialogue Day منایا جائے۔

۱۴۔ سیرت طیبہ ﷺ کو عام کرنے کے لئے تعلیمی اداروں کے نصاب میں سیرت طیبہ ﷺ کو شامل کیا جائے اور سیرت طیبہ ﷺ کے حوالہ سے کوئز اور تقریری مقابلوں کا انعقاد کیا جائے۔

۱۵۔ کانفرنس کا مقصد کسی مذہب کی برتری ثابت کرنا نہیں ہونا چاہئے بلکہ باہمی افہام و تفہیم اور جملہ اہم مذاہب کو باہم قریب لانا، نفرتوں اور بدگمانیوں کو دور کرتے ہوئے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایسے مشترکہ نکات پر متفق ہونا چاہیئے، بلکہ افہام و تفہیم اور جن کے ذریعہ دنیا میں امن قائم ہو سکے، دنیا میں امن بذریعہ قوت کا فلسفہ ناکام ہو چکا ہے، لہٰذا تمام مذاہب کے لئے ہمارا پیغام ہے کہ امن بذریعہ مکالمہ بین الادیان و المذاہب و بین العلماء کا آغاز ہونا چاہئے۔ آپ ﷺ نے دو سو سے زائد غیر مسلم وفود سے مکالمہ کیا، قرآن کریم کا اکثر حصہ مکالمہ پر مشتمل ہے، مکالمہ سنتِ رسول ﷺ ہے۔ محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غیر سنجیدہ اور لاعلمی پر مبنی پروپیگنڈہ کے خاتمہ کے ساتھ ایک دوسرے کو سمجھنے کا آغاز ہونا چاہئے۔ یہی ہماری کوشش کا مقصد ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ سورہ آل عمران:۳/۶۴

2۔ ناہی، ڈاکٹر احمد سیف الدین، الحوار مع الاصحاب الادیان، مترجم مطبوعہ لاہور اردو بازار، ۲۰۱۰ء، ص:۵۱

3۔ سورہ الانعام:۶/۱۵۱

4۔ آرنلڈ، ٹی ڈبلیو، دعوت اسلام، مترجم ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، محکمہ اوقاف، پنجاب، ص:۸۶

5۔ ایضاً، ص:۵۶

6۔ سورہ التوبۃ:۹/۶

7۔ عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار المعرفۃ، بیروت، س ن، ۲/۳۶

8۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۲/۲۹۱

9۔ سورہ بقرہ:۲/۲۴

10۔ سورہ آل عمران:۳/۶۱

11۔ جنگ کراچی، ۱۶ جنوری، ۲۰۰۷ء

12۔ جنگ کراچی، ۱۰۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء

13۔ سورہ نمل:۲۷/۱۲۵

14۔ اس کا مادہ حور ہے، المقاییس اور لسان العرب بذیل مادہ حور قرآن میں یہ لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے، سورۃ الکہف:۱۸/۳۴؛ سورۃ المجادلۃ۵۸/۱

15۔ مہر، پروفیسر امیر الدین، گفتگو کا سلیقہ، دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص:۱۷

16۔ مہر، پروفیسر امیر الدین، گفتگو کا سلیقہ، ص:۲۱

17۔ سورہ نساء:۴/۱۱؛ سورہ ق:۵۰/۱۸

18۔ سورہ الانعام:۶/۱۵۲؛ سورہ الشوریٰ:۴۲/۱۵

19۔ سورہ الاحزاب:۳۳/۵۸؛ سورہ النور:۲۴/۴

20۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، باب تحریم الغیبۃ۔ دار احیاء التراث، بیروت، ۲۰۰۱، حدیث:۲۵۸۹

21۔ سورہ النحل:۱۶/۱۰۵؛ سورہ آل عمران:۳/۶۱

22۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، باب قبح الکذب وحسن الصدق، حدیث:۲۶۰۷

23۔ سورہ الاحزاب:۳۳/۳۵، ۲۴؛ سورہ التوبۃ:۹/۱۱۹

24۔ سورہ لقمٰن:۳۱/۱۹

25۔ سورہ البقرۃ:۲/۲۵۶؛ سورہ لقمٰن:۳۱/۱۹

26۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع، حدیث:۵

27۔ سورہ آل عمران:۳/۶۴

28۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱/۳۱۳

29۔ سورہ طٰہٰ: ۲۰/۴۳؛ سورہ مریم: ۱۹/۱۴۔۴۵

30۔ سورہ التحریم: ۶۶/۶

31۔ سورہ الاعراف: ۷/ ۶۸

32۔ سورہ آل عمران: ۳/۱۱۰

33۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ۲/۷۵۶

34۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱/۳۱۳

35۔ محمد اسد، ڈاکٹر، اسلام اور مغرب، س ن، ص: ۱۵۹۔۱۶۰